قرآنی تصورِ حاکمیت اور تحفظِ حقوقِ انسانی

گل قدیم جان*
اظہار الحق**

ABSTRACT

'Human Rights' is an important issue of the present time. Several organizations claim credit to work for, and publish reports in this regard. But the violation of basic human rights is still continue. This situation is because of missing an effictive eliment of protecting these rights. This major eliment is the concept of "sovereignty" which is though defined by a large number of scholars, but its characterestics are missing in persons, societies and nations or governments. The Qur'an discusses these characterestics and tells that the only sovereign authority, resemblace of such qualities, is Allah Almighty. He has the right of commanding and exercising his authority over the whole universe and He demands obediance and also punishes the disobedients. All human beings are accountale to Him. This concept of sovereignty can protect human rights.

In this article, definition of 'sovereignty' by the western scholarship is discussed. Besides this, the Quranic concept of sovereignty is given in detail. And at the end it is shown how this concept work as an effective tool to protect human rights.

تعارف:

انسانیت کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دنیا میں کئی انقلابات حقوق کے نام پر رونما ہوئے، لاتعداد جنگیں حقوق کی حفاظت کی خاطر بھڑکائی گئیں، بے شمار بغاوتوں کے لیے حقوق کو آڑ بنایا گیا، لاتعداد آزاد منش لوگ اپنے حقوق کی حفاظت کی خاطر اپنی جانوں پر کھیل گئے لیکن ہر زمانے میں، ہر انقلاب، جنگ اور بغاوت کے بعد حقوقِ انسانی کو پھر وہی حشر دیکھنا پڑا جو انقلاب سے پہلے ہوتا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اور انسانیت کی پوری تاریخ آزادی کے لیے آرزو، آزادی کے لیے جدوجہد اور آزادی کو برقرار رکھنے سے عبارت ہے لیکن پھر بھی انسانی حقوق کو سلب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور حریت فکر اور آزادی اظہارِ رائے پر پہرے بٹھا دیے جاتے ہیں۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، ونیسم کالج ڈیرہ اسماعیل خان اینڈ ریسرچ اسکالر پی ایچ ڈی، شعبہ اسلامیات، عربی و تحقیق علوم اسلامیہ گومل یونیورسٹی
** ڈاکٹر، پروفیسر، شعبۂ اسلامیات، عربی و تحقیق گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان۔ برقی پتا: dr_izhar_ulhaq@yahoo.com

تاریخِ موصولہ: ۲۱ جون ۲۰۰۹ء

آخر حقوقِ انسانی کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہوتا رہا ہے؟ انسان دیگر انسانوں کے حقوق غصب کرنے پر کیوں تُلا ہوا ہے؟ تھوڑی دیر کے لیے خالی الذہن ہو کر سوچیں کہ وہ کون سی وجوہات ہیں کہ حقوقِ انسانی کے نام پر برپا ہونے والے انقلابات، جنگوں اور بغاوتوں کے بعد بھی حقوق کی حفاظت نہ ہوسکی۔ اگر ہم وسیع القلبی سے کام لیں تو لامحالہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ دراصل ہر انقلاب میں وہ عناصر اور عوامل موجود ہی نہیں ہوتے جو حقوقِ انسانی کے تحفظ کے لیے کارگر ثابت ہو سکتے ہوں بلکہ انسان کی ان عوامل اور عناصر سے عدم واقفیت اور لاعلمی ہی تھی جس کی بناء پر ان کے انقلابات حقوقِ انسانی کے تحفظ کے سلسلے میں ناکام رہے۔ یہ شرف صرف اسلامی نظام کو حاصل ہے کہ انسانوں کی رہنمائی اس نہج پر کرتا ہے کہ حقوق انسانی کے تحفظ کے لیے جن عوامل اور عناصر کی ضرورت ہے وہ اس کا یقین اور ایمان بن جاتے ہیں۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر کے اردگرد کے ماحول سے الگ ہو کر ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی حقوق کے سلسلے میں انسانیت کا سب سے اہم مسئلہ، ان کی فہرستوں کی تیاری، ملک کے آئین میں ان کا اندراج، علمی منشور واعلانات کا اجراء اور یومِ حقوق انسانی کا انعقاد نہیں بلکہ جن حقوق کو انسانی حقوق شمار اور تسلیم کیا جارہا ہے انہیں غاصبوں کے ہاتھوں غصب ہونے یا پاؤں تلے روندے جانے سے محفوظ رکھنے کا ہے۔

قرآن کریم نے انسانیت کی رہنمائی جس طرزِ حیات کی طرف کی اس میں اس امر کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ اسلام کا پیش کردہ کوئی بھی حکم تحریری حد تک محدود نہ رہے بلکہ عملی لحاظ سے بھی جاری وساری رہے اس لیے حقوقِ انسانی کے سلسلے میں بھی صرف فہرستیں تیار کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان کے لیے موثر اور مستحکم تحفظات مہیا کیے گئے۔ ان تحفظات میں سے ایک اہم عنصر یہ ہے کہ قرآن کریم نے حاکمیت کا صحیح تصور بنی نوع انسان کے سامنے پیش کیا ہے لیکن قرآنی تصورِ حاکمیت پیش کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حاکمیت یعنی اقتدار اعلیٰ کا مفہوم، مغربی مفکرین کی آراء اور اس کا تجزیہ پیش کیا جائے۔

اقتدارِ اعلیٰ کا مفہوم:

ریاست کے اہم لوازمات میں سے اقتدارِ اعلیٰ یا حاکمیتِ اعلیٰ کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے اور جدید سیاسی تصورات میں بہت اہمیت کا حامل ہے لفظ اقتدار اعلیٰ لاطینی زبان کے لفظ "Superanus" کا ترجمہ ہے جس کے معنی ہے "Supreme" یعنی برتر۔ انگریزی میں اس کا مترادف لفظ "Sovereignty" ہے ''چنانچہ ریاست کی "Sovereignty" سے مراد برتری یا حاکمیت ہے یہ ایسی برتر طاقت ہے جس سے ہر کام سرانجام دیا جا سکتا ہے کہ اس کی طاقت سے برتر و بالا کوئی اور طاقت نہیں ہے اور نہ ہی اقتدارِ اعلیٰ کسی دوسری طاقت کے تابع ہوتا ہے''(۱) پس اقتدار اعلیٰ ریاست کا وہ اعلیٰ اختیار ہے جس کی بناء پر وہ قانون کا مؤثر طور پر نفاذ کرتی ہے اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں طاقت استعمال کرنے کی مجاز ہوتی ہے اسی خصوصیت کی بناء پر ریاست کی منشاء اور احکام کو تمام افراد اور دیگر اداروں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

مغربی مفکرین کے ہاں اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف:

مغربی مفکرین نے اقتدارِ اعلیٰ کی مختلف تعریفیں کی ہیں فرانسیسی مفکر Jean Bodin(1530-1596) نے اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"Supreme power over citizens and subjects unrestrained by law".(۲)

''اقتدارِ اعلیٰ شہریوں پر وہ اعلیٰ اختیار ہے جو قانون کا پابند نہ ہو۔''

GrotiusHugo اقتدارِ اعلیٰ کے بارے میں رقم طراز ہے۔

"The supreme political power vested in him whose acts are not subject to any other and whose will cannot be overridden."(۳)

''اقتدارِ اعلیٰ ایسا برتر سیاسی اختیار ہے جو کسی ایسے فرد یا شخص کے پاس ہو جس کے افعال کسی دوسرے کے ماتحت نہ ہوں اور جس کی منشاء کو نظر انداز نہ کیا جا سکے۔''

پروفیسر برجیس، ایک امریکن مصنف اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"Original, absolute, unlimited power over individual subjects and over all associations of subjets."(۴)

''اقتدارِ اعلیٰ شہریوں اور ان کی تمام انجمنوں پر مطلق العنان لامحدود اور ہمہ گیر اختیار کا نام ہے۔''

پروفیسر برجیس مزید لکھتا ہے۔

"The Sovereignty is the underived and independent power to command and compel obedience."(۵)

''اقتدارِ اعلیٰ ایسا کامل اختیار ہے جس کا دائرہ عمل متعین ہے اور جس کے پاس اپنے احکامات منوانے کی قوت موجود ہوتی ہے۔''

Laon Duguit فرانسیسی مفکر نے اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف اس انداز سے کی ہے۔

"Sovereignty is the commanding power of the state, it is the will of the nation organized in the state, it is the right to give unconditional order to all individuals in the territory of the state."(۶)

''اقتدارِ اعلیٰ ریاست کی حکمرانی کی طاقت ہے یہ قومی منشاء ہے جو ریاست میں منظّم ہوتی ہے یہ وہ طاقت ہے جو ریاست کی حدود میں تمام افراد کو غیر مشروط حکم دے۔''

John Austin ایک افادیت پسند انگریز قانون دان اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف اس انداز سے کرتا ہے۔

"If a determinate human superior, not in the habit of giving obedience to a like superior, receives habitual obedience, from the bulk of a given Society, that determinate human superior is sovereign in that society, and that society (including the superior) is a society political and independent."(۷)

''اگر کوئی مخصوص صاحبِ اقتدار شخص یا فرد کسی اپنے جیسے صاحبِ اقتدار فرد کی اطاعت گزاری نہ کرتا ہو اور

معاشرے کی واضح اکثریت اس کے احکام بجالانے کی عادی ہوں تو وہ صاحبِ اقتدار شخص اس معاشرے کا مقتدرِ اعلیٰ ہے اور معاشرہ بمعہ اس صاحبِ اقتدار فرد کے سیاسی اور خودمختار معاشرہ ہے۔"

مغربی مفکرین کی تعریفات کا ماحصل:

مختلف مفکرین نے حاکمیت یا اقتدارِ اعلیٰ کی مختلف تعریفیں کی ہیں لیکن اس کے باوجود اقتدارِ اعلیٰ کا نظریہ ہمیشہ سے ابہام کا شکار رہا ہے سیاسی مفکرین اس کے مختلف پہلوؤں پر مختلف آراء پیش کرتے ہیں اور مقتدرِ اعلیٰ کے تعین کا مسئلہ مزید پیچیدگیوں کا سبب بنتا ہے اور یہ سب ابہام اس اعلیٰ اختیار کے استعمال اور اظہار کے مسئلے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے لیکن ابہام اور پیچیدگیوں کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ لفظی اختلاف کے باوجود معنوی اعتبار سے تمام کی تمام ایک جیسی ہیں اور وہ یوں کہ حاکمیت یا اقتدارِ اعلیٰ ایک برتر قوت کا نام ہے جو اندرونی اور بیرونی طور پر کسی دوسری قوت کے زیر اثر نہیں ہوتی وہ اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہوتی ہے وہ کسی کی تابع نہیں بلکہ سب اسی کے تابع ہوتے ہیں اس کا حکم قانون ہوتا ہے اسے افراد اور ریاست پر حکم چلانے کے غیر محدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں افراد اس کی غیر مشروط اطاعت پر مجبور ہوتے ہیں ریاست کے افراد کو اس کے مقابلے میں کوئی حق حاصل نہیں، جس کے جو کچھ بھی حقوق ہیں اس کے دیے ہوئے ہیں اور وہ جس حق کو بھی سلب کرے وہ آپ سے آپ معدوم ہو جاتا ہے۔

اقتدارِ اعلیٰ کے تعین میں دشواری:

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس نوعیت کی یہ برتر قوت کیا ہے؟ بعض لوگوں کے ہاں یہ برتر قوت شاہ کی ذات ہے بعض کے ہاں یہ برتر قوت ملکی پارلیمنٹ اور کابینہ ہوتی ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ برتر قوت خود ریاست ہے، جمہوریت کے حامیوں کے ہاں یہ برتر قوت ملک کے عوام ہیں جبکہ بعض لوگوں کے ہاں یہ قوت وطن ہے۔(۸)

اب یہ امر قابل غور ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کی مختلف تعریفوں میں جس برتر قوت کا تصور پیش کیا گیا ہے ایسی کوئی برتر قوت حقیقتاً انسانی دائرے میں پائی جاتی ہے اور اگر ہے تو وہ کہاں ہے؟ کس کو اس حاکمیت کا حامل کہا جاسکتا ہے کیا کسی شاہی نظام میں واقعتاً کوئی بادشاہ ایسی حاکمیت کا حامل ہے یا کبھی پایا گیا ہے یا پایا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب اثبات میں مشکل ہے کیونکہ بڑے سے بڑے خودمختار بادشاہ کے اقتدار کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت آشکارہ ہو جاتی ہے کہ اس کے اختیارات کو بہت سے خارجی عوامل وعناصر محدود کر رہے ہوتے ہیں جو اس کے ارادے کی تابع نہیں ہوتے۔

اسی طرح اگر ایک جمہوری نظام کا جائزہ لیا جائے تو پھر واقعی کسی خاص جگہ کو متعین نہیں کیا جاسکتا جس کے بارے میں دعویٰ کیا جائے کہ یہاں واقعی حاکمیت جملہ اوصاف کے ساتھ موجود ہے جس کو بھی آپ حاکمیت کا حامل قرار دیں گے تجزیہ کرنے پر واضح ہوگا کہ اس کے ظاہری اختیارِ مطلق کے پیچھے کچھ اور طاقتیں ہیں جن کے ہاتھ میں اس کی باگیں ہیں یہی وجہ ہے کہ جب علم سیاسیات کے ماہرین حاکمیت کا واضح تصور لے کر انسانی سوسائٹی کے دائرے میں اس کا واقعی مصداق تلاش

کرتے ہیں تو انہیں سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے کیونکہ انسانیت کے دائرے میں بلکہ درحقیقت مخلوقات کے دائرے میں ان خصوصیات کی حامل ہستی موجود ہی نہیں جو اقتدارِ اعلیٰ کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

قرآنی تصورِ حاکمیت:

قرآن کریم نے بار بار واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ بنی نوع انسان کے اذہان وقلوب میں جس برتر قوت کا تصور پایا جاتا ہے یہ برتر قوت نہ بادشاہ کی ذات ہے، نہ پارلیمنٹ اور نہ کابینہ ہے، نہ ریاست ہے نہ کوئی اور شئے ہے بلکہ یہ برتر قوت خدا کی ذات ہے جو فی الواقع حاکمیت کی حامل ہے وہ انسان کا پیدا کرنے والا بھی ہے اور ارض وسماء اور کل کائنات کا مالک بھی ہے وہی مختارِ مطلق ہے وہی غیر مسؤل اور غیر جواب دہ ہے وہی تمام اقتدار کا مالک ہے وہی ایک ایسی ہستی ہے جس کے اختیارات کو محدود کرنے والی کوئی طاقت نہیں ہے۔

اگر ہم اس امر کی تحقیق کرنا چاہیں کہ صحیح حاکمیت کی تلاش میں اہلِ مغرب کیوں ناکام ہوئے ہیں اقتدارِ اعلیٰ کا تصور و تعین ان کے لیے کیوں مبہم اور پیچیدہ بنا ہوا ہے اس کا تعین کیوں مشکل ہے تو ہم آسانی کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس کی ناکامی کی وجہ ان کے ہاں جسم اور روح کی علیحدگی کی کوشش ہے جبکہ جسم اور روح کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اور اگر اس کو علیحدہ کرنے کی کوشش کی جائے تو اس کا نتیجہ موت ہوگا جب دونوں کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا تو ان کے تقاضوں کو بھی علیحدہ نہیں کیا جا سکتا قرآن پاک کے نزدیک جسم اور روح کے تقاضے مختلف نہیں، دین اور دنیا ایک ہی چیز ہے اس میں دوئی نہیں پائی جاتی اس لیے قرآن پاک کے نزدیک ان سے متعلق احکام اور قوانین تجویز کرنے والی ذات بھی ایک ہی ہے قرآن پاک کا اعلان ہے کہ اگر کائنات میں دو حقیقی مالکوں کا وجود ہوتا تو بدنظمی اور فساد ہوتا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا...... (الانبیاء:۲۲)

''اگر ان دونوں (زمین وآسمان) میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں خراب ہو جاتے۔''

دنیا میں تمام انبیاء کرام کا اصل مشن اور مقصد خدا کی حاکمیت کا اقرار کروانا اور اس کا عملی نفاذ تھا۔ تمام انبیائے کرام نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی طرف انسانیت کو بلایا۔

کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے تقاضوں کو اگر مدنظر رکھا جائے تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ انسان اپنی آزادی اور خود مختاری سے دستبردار ہو کر اپنے آپ کو کلّی طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے اس کو اپنا کارساز، حاجت روا، مشکل کشا اور حامی وناصر سمجھے کیونکہ سارے اختیارات کا مالک وہی ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کا اعلان کیا ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ...... (الانعام:۵۷)

''حکم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نہیں ہے۔''

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ٥ (الکہف:۲۶)

''اس کے سوا بندوں پر کوئی مختار نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔''

لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ...... (الروم:۴)

''سب کام یا اختیار پہلے اور پچھلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔''

قرآن کریم نے مختلف مقامات پر مختلف پیرائے میں اس حقیقت کو انسانوں کے دل و دماغ میں کما حقہ روشناس کرایا ہے کہ ساری کائنات میں صرف خدائے واحد ہی ایک ایسی ہستی ہے جو مقتدرِ اعلیٰ ہونے کی مستحق ہے حاکمیت کے جملہ اختیارات صرف اسی کی ذات کو حاصل ہیں کوئی دوسرا اس کائنات میں ان اختیارات کا حامل سرے سے ہے ہی نہیں اور نہ ہی کوئی اس کائنات کے انتظام وانصرام میں اس کے ساتھ شریک ہے حکم صرف اسی کا چلتا ہے وہی یکتا ہے اور اس کا ہمسر اور برابر کوئی نہیں۔

اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ ط لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ...... (الزمر:۶)

''اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے اس کا راج (حکمرانی) ہے سوائے اس کے کوئی الٰہ نہیں۔''

رَبُّکُمْ ج لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ...... (الانعام:۱۰۲)

''اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔''

وَلَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ o (الروم:۲۶)

''اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔''

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی o (طٰہٰ:۶)

''اس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان اور نیچے گیلی زمین میں ہے۔''

وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِہٖ ط اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ط تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ o (الاعراف:۵۴)

''سورج چاند اور ستارے اس کے حکم کے تابع ہیں سُن لو پیدا کرنا اور حکم فرمانا اسی کا کام ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔''

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ...... (السجدہ:۵)

''وہ آسمان سے زمین تک ہر کام تدبیر سے چلاتا ہے۔''

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ...... (الفرقان:۲)

''اور سلطنت میں کوئی اس کا ساجھی نہیں۔''

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ...... (یوسف:۴۰)

''اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے حکم دیا کہ نہ پوجو مگر اُسی کو۔''

قرآن پاک کی آیاتِ مبارکہ پر غور و فکر کرنے سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حاکمیت یعنی اقتدارِ اعلیٰ صرف

اور صرف خدا ہی کی ذات ہے اس کے سوا حقیقی معنوں میں کسی اور کو حکم دینے کا اختیار ہی نہیں اس کے اختیارات نا قابل تقسیم ہیں کسی فرد یا کسی مظہر قدرت کو حاکمیت کا منصب اور مقام حاصل نہیں بلکہ یہ بلند و بالا منصب صرف اور صرف خدا ہی کا ہے۔

خدا کی حاکمیت کا اقرار کروانا اور عملی نفاذ صرف حضورؐ کا مشن نہیں تھا بلکہ قرآنی توضیحات کی رو سے تمام انبیاء کرام کا مشن تھا۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو یہی تعلیم دی تھی کہ اے لوگو! خدا کو اپنا حاکم اور معبود سمجھو۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق اپنی زندگی کا پروگرام بنالو۔ اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال کی تفریق کر دی ہے آپ حرام و حلال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کو تسلیم کریں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اَنْ اَنذِرْ قَوْمَکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌo قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌo اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَ اَطِیْعُوْنِo (نوح:۱تا۳)

''ہم نے حضرت نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا کہ اپنی قوم کو (وبالِ کفر) سے ڈراؤ۔ اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آ پہنچے۔ کہا کہ اے میری قوم میں تم کو کھل کر ڈر سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرو۔''

حضرت ابراہیمؑ نے اسی حقیقت کی طرف دعوت دی کہ حاکم مطلق رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ہے۔

قَالَ بَل رَّبُّکُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَھُنَّ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَo (الانبیاء:۵۶)

''حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور میں اس بات پر گواہ ہوں۔''

حضرت یوسفؑ جب زلیخا کے مکروفریب کی وجہ سے جیل گئے تو جیل میں اپنے ساتھیوں سے بھی کہا تھا۔

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُo (یوسف:۳۹)

''کیا متفرق معبود بہتر ہیں یا اکیلا زبردست اللہ؟''

مصر کا بادشاہ فرعون رعمسیس ثانی کہا کرتا تھا۔

اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰیo (النازعات:۲۴)

''میں تمہارا سب سے اعلیٰ رب ہوں۔''

مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ...... (القصص:۳۸)

''مجھ کو تو میرے سوا تمہارا کوئی حاکم معلوم نہیں۔''

فرعون کے دعویٰ کے برخلاف مقابلے میں حقیقی مالک کی طرف سے ایک اور اعلان جاری ہوا، اصل حاکم ارض وسماء کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو حکم ملا۔

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی o (النازعات:۱۷)

''فرعون کے پاس جاؤ اس نے بغاوت کی ہے۔''

فرعون نے دعویٰ کیا تھا کہ حاکمیت میری ہے میں سب پر غالب ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف حضرت موسیٰؑ کو بھیجا کہ فرعون کو سمجھا دے کہ تم نے حاکمیت کا دعویٰ کر کے بغاوت کر دی ہے اصل حاکمیت تمہاری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔لیکن جب فرعون نے خدائی حاکمیت کا انکار کیا اور اپنی حاکمیت پر مصر رہا تو اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے سامنے اس قدر ذلیل وخوار کر دیا کہ رہتی دنیا تک لوگوں میں ملعون کر دیا اور بنی نوع انسان نے دیکھ لیا کہ اصل حاکم کون ہے۔

قرآنی تصورِ حاکمیت ذریعہ تحفظ حقوقِ انسانی:

قرآن کریم نے انسانیت کو حاکمیتِ الٰہی کا درس دے کر یہ حقیقت واضح کر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارا صرف خالق و مالک اور رب ورازق ہی نہیں بلکہ حاکم وشہنشاہ بھی ہے اور اسلامی ریاست میں مخلوق کی حاکمیت کے تمام تصورات کو خاک میں ملا دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مقتدرِ اعلیٰ ماننے کی وجہ سے انسانوں میں حاکم ومحکوم کی تفریق خود بخود ختم ہوجاتی ہے۔

اسلام میں ایک ادنیٰ ملازم سے لے کر یا معمولی شہری سے لے کر اعلیٰ ترین عہدیدار تک کی تمام لوگوں کی حیثیت برابر ہوجاتی ہے اور انسان کو مخلوق کی غلامی سے آزادی حاصل ہوجاتی ہے جن لوگوں پر حکومت کا بارگراں رکھا جاتا ہے وہ نتیجتاً اللہ تعالیٰ کے تصورِ حاکمیت سے اس قدر مغلوب ہوجاتے ہیں کہ آمریت کی طرف قدم بڑھانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہ جاتا۔حاکمیت الٰہی کے سچے تصور سے عام رعایا بھی اس قدر بلند حوصلہ ہوجاتی ہے کہ وہ کسی آمر کے سامنے اس کے ناجائز حکم ماننے کو ہرگز تیار نہیں ہوسکتی۔نہ ہی کوئی آمر وامام حقوق انسانی کے غصب کرنے کی جرأت کرسکتا اور نہ رعایا کسی کو ان کے حقوق پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت دے سکتی ہے۔

حاکمیتِ الٰہی کا تصور ہی انسانی حقوق کے بارے میں حاکموں کا رویہ بدل دیتا ہے وہ اپنے آپ کو مقتدرِ اعلیٰ یا حاکم اعلیٰ نہیں بلکہ حاکم اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کا نائب سمجھتا ہے اور مقتدرِ اعلیٰ کے آئین کا نفاذ اپنا سب سے بڑا فریضہ سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو حکمران نہیں بلکہ عوام کا خادم سمجھ کر ان کی خدمت کرنا باعث نجات خیال کرتا ہے۔چنانچہ خلفائے راشدین کی تاریخ کسی سے پوشیدہ نہیں۔خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ بیعت خلافت کے بعد اپنے اولین خطبے میں فرماتے ہیں۔

وَالضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِیْ حَتّٰی اٰخُذَ لَهٗ حَقَّهٗ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ وَالْقَوِيُّ ضَعِيفٌ عِنْدِیْ حَتّٰی اٰخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔(۹)

''ان شاءاللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کو حق واپس دلا دوں اور ان شاء اللہ تمہارا قوی فرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وصال کے وقت اپنی تجہیز وتکفین کے بارے میں جو وصیت فرمائی اس میں بھی حقوقِ انسانی

کا اس قدر لحاظ رکھا کہ اپنی تجہیز و تکفین کے لیے پرانے کپڑوں کو پسند فرمایا کہ نئے کپڑوں کے حق داران کے نزدیک اپنی میت سے زیادہ زندہ لوگ تھے چنانچہ انتقال سے پیشتر فرمایا "اسی چادر میں جو اس وقت میں پہنے ہوئے ہوں مجھے کفن دینا کیونکہ زندہ کو مردہ کی نسبت نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔" (۱۰)

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ بھی انسانی حقوق کا بہت احترام کرتے تھے دورانِ خلافت رعایا کو واضح طور پر بتایا تھا کہ رعایا کی خیر خواہی حکمرانوں پر ان کا حق ہے چنانچہ ایک دفعہ آپؓ نے خطاب میں فرمایا "اے میری رعایا! ہم پر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم غائبانہ طور پر تمہاری خیر خواہی کریں اور نیک کاموں میں تعاون کریں حاکم کی بردباری اور نرمی سے بڑھ کر کوئی خصلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب نہیں ہے عام لوگوں کو بھی اس کا سب سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔" (۱۱)

ایک دفعہ آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا لوگو! مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جو میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں اپنے یہ حقوق مجھ سے حاصل کرو، مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے خراج اور اس غنیمت میں سے جو اللہ تعالیٰ تمہیں عطا کرے کوئی چیز ناحق نہ لوں مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو مجھ سے اپنا حق لے کر جائے مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ ان شاءاللہ میں تمہارے عطیات و وظائف میں اضافہ اور تمہاری سرحدوں کو مستحکم کردوں اور مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں۔ تمہیں گھر واپس آنے سے نہ روکے رکھوں اور جب تم جنگ پر جاؤ تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل وعیال کی نگہداری کروں۔ (۱۲)

ایک دفعہ آپؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے محمدؐ کو برحق رسول بنا کر بھیجا اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی اونٹ ناحق ہلاک ہو جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آل خطاب سے اس بارے میں باز پرس کرے گا۔ (۱۳)

ایک اور موقع پر فرمایا کہ "آپ لوگوں نے مجھ پر خلافت کی امارت کا بار ڈالا ہے لیکن میں اپنے آپ کو ایک چرواہے کی مانند سمجھتا ہوں چرواہا اگر غفلت کرتا ہے تو نہ فقط اسے نقصان ہی پہنچتا ہے بلکہ اس کی باز پرس بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا میں جانتا ہوں کہ اگر فرائض امارت کے ادا کرنے میں مجھ سے کوئی قصور ہو جائے تو مجھے بارگاہِ ایزدی میں اس کا جواب دینا پڑے گا۔ (۱۴)

حضرت عمرؓ نے خلافت کا بار اٹھاتے ہی جس دستور العمل کا اعلان کیا تھا اپنے دس سالہ دورِ خلافت میں سختی سے اس پر عمل کیا۔ خلافت کا بارگراں سنبھالتے ہی آپؓ نے فرمایا تھا "لوگو! میں تم ہی میں سے ایک انسان ہوں اگر مجھے خلیفۂ رسولؐ (ابوبکر صدیقؓ) کی حکمِ عدولی گوارا ہو سکتی تو میں یہ ذمہ داری کبھی قبول نہ کرتا۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگ میری سختی سے ڈرتے اور کانپتے ہیں۔ لیکن اے لوگو! یہ سختی اب نرمی سے بدل گئی ہے، لیکن ان لوگوں کے لیے بدستور قائم ہے جو مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو امن و سلامتی سے رہتے ہیں اور جرأت ایمانی سے کام لیتے ہیں ان کے لیے میں سب سے زیادہ نرم ہوں اگر کوئی ظلم و زیادتی کرے گا تو میں اسے اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک کہ اس کا رخسار زمین پر نہ ٹکا دوں اور دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں۔ لیکن اہلِ عفاف کے لیے اپنا رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔" (۱۵)

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ بنائے گئے تو بیعت خلافت کے بعد آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور ایک جامع مگر مختصر تقریر کی۔ جس میں متاع دنیا کی بے ثباتی بیان کر کے اس کے مقابلے میں اجر آخرت کا تصور دلایا(۱۶) اور آخر دَم تک وہ اس پر کاربند رہے۔ اگرچہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت کے آخری ایام میں مفسدین نے من گھڑت روایات کے ذریعے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کر لی تھی لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے سالم بن عبداللہ دورِ عثمانی کی کیفیت کو اپنے مندرجہ ذیل بیان میں پیش کرتے ہیں کہ ''حضرت عثمانؓ جب سے خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے تھے، آخری حج کے بغیر تمام سالوں میں انہوں نے خود حج کرائے......ان کے دور میں لوگ امن و امان میں تھے حضرت عثمانؓ کی طرف سے حکام اور کارندوں کو حکم لکھ کر ارسال کیا جاتا اور جن لوگوں کو ان کے متعلق کوئی شکایت ہوتی ان کو بھی لکھ دیا جاتا کہ دونوں فریق ہر سال حج کے موقع پر حاضر ہوں تا کہ شکوہ شکایات سن کر ان کا ازالہ کیا جا سکے۔'' (۱۷)

حضرت عثمانؓ نے عوام کے حقوق کی کہاں تک حفاظت کی؟ اور عوامی حقوق کے کتنے بڑے پاسبان و محافظ تھے؟ اس کا جواب ہمیں ان مکتوبات اور فرامین میں ملتا ہے جو آپؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی اپنے گورنروں، فوجی جرنیلوں اور افسران مال کو ارسال کیے تھے۔ اپنے گورنروں اور اعلیٰ حکام کو پہلا فرمان یہ لکھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حکام و ائمہ کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ رعیت کے محافظ و نگران بنیں انہیں یہ حکم نہیں دیا کہ ٹیکس وصول کرنے والے بن کر رہ جائیں بلاشبہ اس امت کے متقدمین ائمہ محصل ہی نہیں تھے بلکہ رعیت کے محافظ و نگران تھے لیکن اب وہ وقت قریب نظر آرہا ہے کہ حکام محافظ و نگران بننے کی بجائے صرف محصل بن کر رہ جائیں گے جب وہ ایسا کریں گے تو حیا، امانت اور وفا کا نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ یاد رکھو! سب سے زیادہ عادلانہ طرزِ عمل یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے امور و احوال کو ملحوظ رکھو، جو ان کا حق ہے وہ انہیں دو اور جو ان پر واجب الادا ہے وہ ان سے لو۔ پھر ذِمی لوگوں کا خیال کرو جو ان کا حق ہے وہ انہیں دو اور جو کچھ ان پر واجب الادا ہے وہ ان سے وصول کرو پھر دشمنان دین کا معاملہ ہے، جن سے تم دوچار ہوتے رہتے ہو۔ تو ان پر فتح حاصل کرو مگر عہد و پیمان پورا کرو۔ (۱۸)

عمال الخراج یعنی مالیات کے حکام کو لکھا کہ ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا وہ حق کے سوا کوئی چیز قبول نہیں فرماتا لہٰذا تم اپنا حق وصول کرو اور حق والوں کا حق ادا کرو۔'' (۱۹)

عام لوگوں کے لیے شہروں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تحریری فرمان ارسال کرواتے کہ ''نیکی کا حکم کیا کرو اور برائی سے باز رہو اور کوئی مسلمان اپنے آپ کو ذلیل و عاجز نہ سمجھے، میں قوی شخص کے مقابلے میں ضعیف آدمی کے ساتھ ہوں جب تک وہ مظلوم ہے، ان شاء اللہ۔ (۲۰)

خلفائے ثلاثہ کی طرح خلیفہ رابع حضرت علیؓ بھی آخرت کی جواب دہی کے احساس کے ساتھ خلافت کے امور سرانجام دے رہے تھے۔ انہوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو ایک مطلق العنان حکمران نہیں سمجھا چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ جب آپؓ نے اپنی ذرّہ ایک یہودی کے پاس دیکھی تو ایک عام آدمی کی طرح اس کے خلاف قاضی شُریح کی عدالت میں دعویٰ

دائر کر دیا قاضی نے حضرت علیؓ سے ثبوت طلب کیا لیکن وہ اسلامی قانونِ عدل کے مطابق ثبوت پیش نہ کر سکے۔ قاضی نے حضرت علیؓ کا دعویٰ خارج کر دیا۔ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی کو دیکھا کہ وہ ان کی زرہ فروخت کر رہا ہے۔ آپؓ نے یہودی سے کہا کہ یہ ذرّہ میری ہے انکار پر فیصلہ قاضی شُریح کی عدالت میں پیش ہوا۔ قاضی سے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ ذرّہ میری ہے جو میں نے نہ کسی کہ ہبہ کی ہے اور نہ فروخت کی ہے۔ قاضی شُریح نے اس یہودی سے پوچھا تم اس بارے میں کیا کہتے ہو اس نے کہا! یہ ذرّہ یقیناً میری ہے گو کہ میں امیر المومنین کو جھوٹا نہیں کہتا۔ قاضی نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا آپ کے پاس گواہ ہے۔ اسلامی قانون عدل کے مطابق گواہ نہ ہونے کی بناء پر قاضی نے فیصلہ حضرت علیؓ کے خلاف اور یہودی کے حق میں دے دیا۔ (۲۱)

صرف یہی نہیں کہ قرآنی تصورِ حاکمیت کی وجہ سے ریاست کے عہدیداروں کو انسانی حقوق کا پاس تھا اور اپنے آپ کو حکمران نہیں بلکہ رعایا کے خادم سمجھتے تھے اور خدمت میں کوتاہی اپنی آخرت کی ناکامی کا ذریعہ خیال کرتے تھے بلکہ قرآنی تصورِ حاکمیت کی وجہ سے رعایا بھی اس قدر حوصلہ مند تھی کہ حکمرانوں سے اپنے حقوق ہر لحاظ سے وصول کر لیا کرتی تھی حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مال خمس میں سے اہلِ بیت کا حق ان کو دیا لیکن ان کو کمی معلوم ہوئی تو سب نے لینے سے انکار کر دیا کہ ہمیں پورا حق دیا جائے۔ (۲۲)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا لوگو! اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو کیا کرو گے؟ یہ سنتے ہی ایک شخص نے تلوار کھینچ لی اور کہا تمہارا سر اڑا دوں گا۔ آپؓ نے بھی اس کی دلیری آزمانے کے لیے ڈانٹ کر کہا تو امیر المومنین کی شان میں گستاخی کرتا ہے، اس نے کہا۔ ہاں، کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ قوم میں ایسے لوگ لوگ موجود ہیں کہ میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دیں گے۔ (۲۳)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ مجلس کو خطاب کرنے اٹھے تو ایک بدو اٹھا اور کہا لا سمع و لا طاعة نہ سنتا ہوں، نہ اطاعت کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیوں؟ بدو بولا یمن سے جو چادریں آئی تھیں ان میں سے ایک ایک چادر سب کے حصے میں آئی تھی اس چادر سے قمیص نہیں بن سکتی آپ نے اس چادر کی قمیص پہنی ہوئی ہے۔ یقیناً آپ نے اپنے حصے سے زائد کپڑا لیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کا جواب میرا بیٹا دے گا۔ یہ سُن کر عبداللہ بن عمرؓ اٹھے اور کہا کہ میں نے اپنے حصے کی چادر انہیں دے دی اس طرح ان کی قمیص بنی ہے۔ یہ سُن کر بدو دوبارہ اٹھا اور کہا اَلآن اسمع واطیع یعنی اب سنتا ہوں اور اطاعت کرتا ہوں۔ (۲۴)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے مہر کے زیادہ باندھنے کی ممانعت پر خطاب کیا تو ایک بڑھیا نے قرآن شریف کی آیت **قنطار مقنطرة** پڑھتے ہوئے کہا کہ جس چیز کو خداوند کریم جائز اور مباح کرے تم کیونکر منع کر سکتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے انصاف کو فوقیت دیتے ہوئے فرمایا کل الناس افقه من عمر حتی المخدّرات یعنی تمام لوگ عمر سے زیادہ فقیہ ہیں یہاں تک کہ عورتیں بھی۔ (۲۵)

درج بالا حقائق سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جب قلوبِ حاکمیت الٰہی کے تصور سے معمور تھے تو کوئی شخص بھی اپنی عزت اور جان و مال میں کسی سے خائف نہیں تھا اور سوائے ان ذرائع کے جو شرعاً جائز ہیں کسی سے خلیفۂ وقت بھی کچھ مزاحمت نہیں کر سکتا تھا بلکہ جو امور مصلحتِ وقت سے خلیفہ جاری کرنا چاہتا تھا اور کوئی ان کی قباحت ثابت کر کے ان سے انکار کرتا تو خلیفہ وقت کو سوائے سکوت کے کچھ چارہ کار نہ تھا۔

نتیجہ تحقیق:

درج بالا توضیحات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مقتدرِ اعلیٰ یا حاکمیت کے لیے جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے اس کا واقعی مصداق مخلوقات کے دائرے میں تلاش کرنا ناممکن ہے مقتدرِ اعلیٰ کی خصوصیات کی حامل ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے حاکمیت میں اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کیا جا سکتا۔قرآن پاک نے بار بار اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔مزید براں قرآنی تصورِ حاکمیت حقوق انسانی کے تحفظ کے لیے بھی ایک مؤثر محرک ہے کیونکہ قرآنی تصورِ حاکمیت کی وجہ سے ذمہ داران مملکت جواب دہی کے تصور سے اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ ان کے قدم کسی بھی صورت میں آمریت کی طرف نہیں جاتے اور حقوق انسانی کا تحفظ اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔خلفائے راشدین کے فرامین اور طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر شدت سے لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھتے تھے مسلمان تو مسلمان بلکہ ذِمیوں اور محارب دشمنوں تک کے حقوق کے محافظ تھے اور ان پر ظلم و تعدی اور ان سے بے وفائی و بدعہدی کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی حمایت کرتے، بر سر عام عامتہ الناس کو گورنروں تک کے خلاف شکایت کرنے کی دعوت دیتے اور شکایات کا ازالہ فرماتے۔مظلوم و مجبور اور احساس کمتری میں مبتلا لوگوں کے جذبات غیرت کو بیدار کرتے اور انہیں عزت نفس کا درس دیتے۔پس قرآنی تصورِ حاکمیت ایک طرف تو حکمرانوں کی آمریت اور انہیں ظلم و ستم اور جبر و تشدد کی راہ پر لے جانے والے محرکات کا سد باب کرتا ہے اور دوسری طرف عام رعایا میں اس قدر خود اعتمادی، بہادری اور بے خوفی کے ایسے جواہر پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی مانند مخلوق کے سامنے بے بسی و بے چارگی کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ آمریت کے لیے ناقابلِ تسخیر قوت بن جاتے ہیں اور کسی صورت میں بھی کسی کو اپنے حقوق غصب کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور حکمرانوں کے غلط اقدامات کے لیے سدِّ سکندری بن جاتے ہیں۔**ھذا من عندی واللہ اعلم بالصواب۔**

مراجع وحواشی

(A1) The new WEBSTER Encyclopedic Dictionary of English Language, including A Dictionary of synonyms and twelve supplementary Refference Section: Under words sovereign, sovereignty P.802.

(B) Mrs. Azra Qamar, Principles of civics, Pub: Kifayat Academy Karachi 1978, P.61.

(A۲) Kapur Anup Chand, Principles of Political Science, Pub: S.Chand & company New Delhi, 1981, P.145.

(B۲) The Encyclopedia of Philosophy, volumes 7,8: Macmillan Publishing company New York, P.502.

(۳) Kapur A.C, Principles of Political Sciences, P.145.

(۴) lbid (۵) lbid (۶) lbid (A۷) lbid, P.157

(B۷) International Encyclopedia of Social Sciences, volumes 15, 16, 17, the Macmillan comp, the free press New York, 1972, PP.80,81.

(۸) صدارتی نظام میں برتر قوت صدر کی ذات سمجھی جاتی ہے۔ پارلیمانی نظام میں برتر قوت ملک کی پارلیمنٹ اور کابینہ سمجھی جاتی ہے، نظری حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ کی روسے برتر قوت وطن یا ریاست ہے جبکہ آجکل جمہوری دور میں برتر قوت ملک کے عوام قرار دیے جاتے ہیں۔
{(A) Ria Hameed A.K, Principles of Political Sciences, Pub.Aziz Publishers Lahore. 1991, PP.217 to 224.
(B) Kapur A.C Principles of Political Sciences, PP.148-156}

(۹) (الف) ابن کثیر اسماعیل بن عمر، الکامل فی التاریخ، ج ۵، ص ۳۳۲، بیروت، دار صادر، ۱۹۶۵ء

(ب) ابن خلدون عبدالرحمٰن، تاریخ ابن خلدون، ج ۱، ص ۲۲۳، ترجمہ احمد حسین الٰہ آبادی، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۱ء

(۱۰) (الف) ابن کثیر، ج ۲، ص ۴۱۹

(ب) ابن سعد محمد، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۳۳، ترجمہ عبداللہ العمادی، حیدرآباد دکن، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، ۱۹۴۴ء

(ج) طبری محمد بن جریر، تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۶۹، ترجمہ محمد ابراہیم، کراچی، نفیس اکیڈمی، س ن

(۱۱) طبری، ص ۲۶۶ (۱۲) ہیکل محمد حسین، عمر فاروق اعظم، ص ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱، ترجمہ حبیب اشعر، لاہور، مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۸۴ء

(۱۳) طبری، ص ۲۴۱ (۱۴) شوق منشی عبدالرحمٰن، تاریخ اسلام، ج ۲، ص ۴۰۹، لاہور، ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز، ۱۹۵۹ء

(۱۵) (الف) مولانا شبلی، الفاروق، ص ۳۷۲، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۱ء

(ب) ہیکل محمد حسین، عمر فاروق اعظم، ترجمہ حبیب اشعر، ص ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱۔

(ج) صادق حسین، اسلام کے عظیم فرزند، ج ۱، ص ۲۲، راولپنڈی، یوسف پبلشرز، ۱۹۷۹ء

(۱۶) طبری، ج ۳، ص ۲۹۸۔

(۱۷) (الف) مولانا محمد نافع، مسئلہ اقربا نوازی ملحق بکتاب رحماء بینھم حصہ عثمانی، ص ۳۶۹، ۳۷۰، بخشی اسٹریٹ لاہور، مکہ بکس، ۱۹۸۱ء

(ب) ابن سعد محمد، ج ۳، ص ۹۲

(۱۸) (الف) طبری محمد بن جریر، ج ۳، ص ۳۰۰

(ب) سید نورالحسن، شہادت امام مظلوم سیدنا عثمانؓ ذوالنورین، ص ۱۷۹، ۱۸۰، کراچی، دارالاشاعت، س ن

(۱۹) (الف) طبری محمد بن جریر، ج ۳، ص ۳۰۰ (ب) سید نورالحسن، ص ۱۸۰

(۲۰) (الف) طبری محمد بن جریر، ج ۳، ص ۳۰۰ (ب) سید نورالحسن، ص ۱۸۰، ۱۸۱ (ج) مولانا محمد نافع، ص ۳۷۰

(۲۱) ابن کثیر اسماعیل بن عمر، ج ۳، ص ۴۰۱

(۲۲) سنن ابی دائود، کتاب الخراج والامارة باب بیان موضع قسم الخمس وسھم

(۲۳) شبلی، ص ۳۳۲ (۲۴) ہیکل محمد حسین، ص ۵۹۰ (۲۵) شوق منشی عبدالرحمٰن، ص ۴۵۰